تصور سے تخلیق پاکستان تک قائداعظم کے فرمودات

ڈاکٹر صنم شاکر

Dr. Sanam Shakir

Lecturer, Department of Urdu,

Islamabad College For Boys, Islamabad.

ڈاکٹر محمد وسیم انجم

Dr. M. Waseem Anjum

Head, Department of Urdu,

Federal Urdu University For Arts, Science & Technology, Islamabad.

Abstract:

For over thirty years, Quaid-e-Azam had guided their affairs; he had given expression, coherence and direction to their legitimate aspirations and cherished dreams; he had formulated these into concrete demands; and, above all, he had striven all the while to get them conceded by both the ruling British and the numerous Hindus the dominant segment of India's population. And for over thirty years he had fought, relentlessly and inexorably, for the inherent rights of the Muslims for an honorable existence in the sub-continent.

خیال فکر اور سوچ نے تصورِ پاکستان کو جنم دیا کہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی کی اکثریت ہے اُن کو ملا کر ریاستِ پاکستان بن سکتی ہے۔ یہی وہ بات تھی جسے سرسید احمد خان نے سمجھا کہ ہند کے بہت سے علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت تھی جن کی معاشرت، تہذیب اور تمدن کی تاریخ ہندوؤں سے مختلف چلی آرہی تھی اور دونوں اقوام صدیوں سے قریب رہنے کے باوجود اپنے اپنے نظریات میں اختلاف پر عمل پیرا۔ اس نقطے کو مولانا محمد علی جوہر نے بھی بیان کیا۔ پھر علامہ اقبال نے خطبۂ الٰہ آباد میں اس کو واضح کیا تب ان کی نظر قائدِ اعظم کی شخصیت پر جا ٹھہری۔ انھوں نے متعدد خطوط کے ذریعے قائدِ اعظم کو آمادہ کیا۔ چنانچہ ایک خط میں لکھتے ہیں:

''ہندوستان کے مسلمانوں میں اس وقت صرف آپ ہی کی ایک ذات ہے جس سے قوم یہ توقع کرنے میں حق بجانب ہے کہ اس طوفان میں آپ اس کی ناخدائی کریں گے۔ جو نہ صرف شمال مغربی ہندوستان کو بلکہ پورے ملک کو اپنی زد میں لینے والا ہے۔ میں آپ پر واضح کر دوں کہ ہم اس وقت خانہ جنگی کی سی حالت میں زندگی گزار رہے ہیں۔''(۱)

علامہ اقبال کے خیال میں وہی ایسی خوبیوں کے مالک تھے جن کی سربراہی میں مسلمان اہلِ ہند کو وطن بنا کر آزادی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔ قائدِ اعظم خود بھی ان حقائق سے آشنا ہو چکے تھے یہی فکر وسوچ کی عملی صورت ان کے خطبات میں عیاں ہوتی چلی گئی۔ قائدِ اعظم نے اپنے خطبۂ صدارت میں ہر طبقے اور نقطۂ نظر کے حامی مسلمانوں سے اتحاد اور ربطِ باہمی کی پُر زور اپیل کی۔ مسلم لیگ کے اجلاس میں متعدد مسائل زیرِ بحث آئے۔ ان مسائل کے بارے میں خود مسلم زعماء کے درمیان بڑے ذہنی اختلافات تھے مگر قائدِ اعظم کے تدبر نے بالآخر ان اختلافات سے تجاوز کرتے ہوئے سب شرکاء کو ہم خیال بنا دیا۔

ابتداء میں قائدِ اعظم نے ۱۹۱۶ء میں کانگریس اور مسلم لیگ میں سمجھوتا کرایا اور بعد ازاں طویل عرصے تک اس سمجھوتے کے لیے کوشاں رہے لیکن ان کی کوئی کوشش بھی بارآور نہ ہو سکی۔ اس لیے کہ ہندو فرقہ پرستی کی روش روز بروز تیز و تند ہوتی چلی گئی۔ قائدِ اعظم جس سمجھوتے کی کوشش کر رہے تھے وہ ۱۹۳۷ء تک جاری رہا کہ ہندو اور مسلمان اپنے اپنے حقوق کی حفاظت اکٹھے ہو کر کریں اور ملکی سیاست میں جو فرقہ پرستی کے عوامل حرکت میں آ رہے ہیں اُن کو روکا جا سکے لیکن جب اس طرف سے انھیں مایوسی ہوئی تو انھوں نے مسلمانوں کے لیے جداگانہ وطن کو ضروری سمجھا ان کے خیال میں ہندوستان کے تمام مسائل کا حل یہی تھا کہ ہندوستان کو اس طریق پر تقسیم کیا جائے کہ ایک حصے میں مسلم اکثریت اور غیر مسلم اقلیت ہو اور دوسرے حصے میں غیر مسلم اکثریت اور مسلم اقلیت ہو تا کہ کسی قوم کو اپنی طبعی بالیدگی میں رکاوٹ کا اندیشہ باقی نہ رہے۔

قائدِ اعظم مسلم لیگ میں شامل ہو کر اس کے صفِ اوّل کے رہنما بن چکے تھے۔ انھوں نے ۱۹۱۶ء میں میثاقِ لکھنوء کی طرح ڈالی جس کی رو سے کانگریس کو مسلمانوں کے جداگانہ حقِ نیابت کو ماننا پڑا۔ اس طرح مسلم لیگ قائدِ اعظم کی رہنمائی میں یکجا ہو کر بھرپور اظہار کرنے لگی۔

قائدِ اعظم نے خطبات کے ذریعے ہند کے مسلمانوں کی ہر سطح پر تربیت کو اپنا مطمع نظر بنایا۔ طلباء کو تعلیم کی اہمیت سے آشنا کرتے رہے۔ اُن کے اعلانات، قرادادیں، بیانات اور فرمودات سب ان کے شعور اور سیاسی بصیرت کے غماز ہیں۔ قائدِ اعظم نے اپنی سیاسی بصیرت کو ملحوظ رکھتے ہوئے

کانگریس اور مسلم لیگ کے مابین ہونے والے معاہدوں پر واضح اظہارِ خیال میں فرمایا:

''کہ طاقت ور قوموں نے طاقت کے غرور اور گھمنڈ میں کمزوریوں کو معاہدوں کے باوجود نقصان پہنچانے میں بھی تامل نہ کیا۔'' (۲)

آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے قائدِ اعظم نے گزشتہ سیاسی پیش رفت کا تجزیہ کرتے ہوئے فرمایا:

''مسلمان کبھی بھی ایسے دستور کو قبول نہیں کریں گے جس کا نتیجہ ہندو اکثریت کی حکومت ہو کیونکہ مسلمان اور ہندو دو الگ الگ قومیں ہیں۔'' (۳)

مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ۲۲ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں ہونا طے پایا تھا۔لیکن اجلاس سے چند دن پہلے ۱۹ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں ایک المناک سانحہ پیش آیا جس نے مسلمانوں کو بہت مغموم کر دیا۔قرارداد کا آغاز بھی اسی پس منظر میں ہوا کہ اُس وقت کی حکومتِ پنجاب نے خاکساروں اور دوسری نیم فوجی تنظیموں کے خلاف پابندی لگا رکھی تھی کہ وہ اپنی مخصوص وردی پہن کر سرِ عام پریڈ نہیں کر سکتے۔ جبکہ ۱۹ مارچ کی صبح خاکساروں کے ایک دستے نے اس پابندی کی خلاف ورزی کی تو حکومتی اہل کاروں نے اُن کا محاسبہ کیا اور انھیں تشدد کا نشان بنایا۔اس تصادم میں ایک انگریز پولیس افسر بھی مارا گیا جس کے انتقام میں خاکساروں کو بے دردی سے تہہ وتیغ کیا گیا۔ جو مسلمانوں پر سخت گراں گزرا۔ چنانچہ یہی وہ محرکات تھے جو قراردادِ لاہور کا باعث بنے۔۲۲ مارچ کو منٹو پارک میں منعقدہ اجلاس میں قائدِاعظم نے کہا کہ برطانوی حکومت اگر واقعی ہی برِصغیر کے باشندوں کے لیے خوشی اور امن کی خواہش مند ہے تو وہ ہندوستان کو خودمختار قومی ریاستوں میں تقسیم کر کے ان دو بڑی قوموں کو علیحدہ ہو جانے دے۔ کیونکہ ہندو اور مسلمان الگ الگ فلسفہ؟ و مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ دونوں کی معاشرت جدا جدا ہے کیونکہ دونوں قومیں الگ الگ تہذیب سے تعلق رکھتی ہیں۔جن کی بنیادیں متضاد تصورات پر قائم ہیں۔یہی وہ بنیادی عوامل تھے جن کے پیشِ نظر قراردادِ پاکستان پیش کی گئی۔۲۳ مارچ کو آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس مہں قائدِ اعظم نے خطاب میں برِصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک آزاد ریاست کا نظریہ پیش کیا۔ جسے ۲۴ مارچ کو مسلمانانِ ہند کے متفقہ مطالبے کی حیثیت حاصل ہوئی۔اس کے بعد یہ مطالبہ تحریک میں ڈھل کر سامنے آیا اور جس تیزی سے اس مطالبے نے اہمیت حاصل کی وہ حیران کن اور دلچسپ ہے۔کہ برِصغیر کے تمام مسلمان ایک مطالبے کو عملی جامہ پہنانے کی طرف راغب ہوئے اور ہر رکاوٹ کو توڑ ڈالا۔کہ تحریک صرف سات سال کے عرصے میں کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔اس قرارداد کو اکثریت رائے سے منظور کر لیا گیا۔اجلاس کی صدارت چونکہ قائدِ اعظم کر رہے تھے۔انھوں نے کہا:

''یہ مسئلہ جو ہندوستان میں ہے فرقوں اور فرقوں کے درمیان نہیں،

بلکہ بین الاقوامی ہے اور اس کو بین الاقوامی مان کر ہی حل کرنا چاہیے۔ یہ بنیادی حقیقت سمجھے بغیر کوئی دستور وضع کیا جائے تو وہ تباہی پر منتج ہوگا اور صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ ہندوؤں کے لیے اور برطانویوں کے لیے بھی مضر اور تباہ کن ثابت ہوگا۔'' (۴)

اس امر کی وضاحت یوں کی کہ دنیا میں ہر جگہ اکثریت اور اقلیت کے اپنے اپنے رویے موجود ہیں۔ اکثریت اقلیت پر غلبہ حاصل کرنے کے حیلے تلاش کرتی ہے۔ جبکہ اقلیت اپنے حقوق کے تحفظ میں لگی رہتی ہے۔

قائدِ اعظم دنیا بھر کے مسائل سے آشنا تھے اور تاریخ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ چنانچہ مختلف خطوں میں موجود اقوام کے مسائل کی نشاندہی کرتے ہیں۔ برِصغیر میں موجود مسلمانوں کی فلاح اس امر میں سمجھتے تھے کہ خطے کو دو حصوں میں منقسم کر کے مسلمانوں کو تحفظ دیا جائے۔ تاکہ وہ اپنی تہذیب اور تمدن کے ساتھ آزادی سے زندہ رہ سکیں۔ اُن کی اپنی ہی حکمران حکومت ہوتا کہ یہ آزاد ریاستیں خوش دلی سے دوسری ریاستوں سے تعلق کو فروغ دیں اور محبت کی فضا برقرار رہے۔ جبکہ محکوم قومیں عداوت کو جنم دیتی ہیں اور معاشرتی فلاح کا راستہ محدود ہو جاتا ہے۔ آزادی کی پالیسی سے بین الاقوامی رابطے بھی آسان اور خوش آئند ہو جاتے ہیں۔ ہندوستان کی آزادی اور پاکستان کی تشکیل و تعمیر دونوں کا عمل اہلِ ہند اور برطانوی حکومت کی فراست سے وجود پا سکتا ہے۔ قائد نے اپنے خطاب میں اس حقیقت کی نشاندہی کی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جو رسہ کشی موجود ہے وہ بھی ختم ہونی چاہیے تاکہ دونوں اقوام رضا و رغبت سے تعلق کو برقرار رکھ سکیں۔

قائدِ اعظم نے دونوں اقوام کے مابین بنیادی اختلاف کی بھی بات کی کہ ہندو اور مسلمان دو اقوام مختلف تہذیب، تمدن اور نظریہ لیے ہوئے ہیں جو کبھی ایک قوم تھی اور نہ ہو سکتی ہے۔ دونوں اقوام کے درمیان موجود نظریاتی وروای?تی فرق کو تاریخ کے حوالے سے واضح کیا کہ دونوں کی تاریخ، ثقافت اور تہذیب نہ کبھی ایک تھی اور نہ ہو سکتی ہے۔ قائد نے اس فرق کی وضاحت تاریخ کے حوالے سے یوں کی کہ اجلاس میں موجود سب کو جیسے اپنا بھولا سبق یاد آ گیا ہو اور وہ قائد کی آواز میں بہتے چلے گئے۔ جبکہ کانگریس اکثریتی ہندوو?ں کی بنیاد پر صرف ہند کی آزادی کے خواستگار تھے۔ تاکہ مسلمانوں کو اقلیت گردان کر ان پر حکمرانی کر سکیں۔ اس نقطے کی بھی اس تاریخی خطبے میں وضاحت کی گئی اور ہندو ذہنیت کی نقاب کشائی کی جس سے مسلمان دل گرفتہ چلے آ رہے تھے۔

اس جلسے میں قرارداد منظور ہوئی کہ مسلمانوں کو اپنے مقصد تک پہنچنے کے لیے ہر طرح کی قربانی کو اپنے سامنے رکھنا ہوگا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کی یہ رائے ہے کہ کوئی منصوبہ بغیر اس کی مرضی کے اس ملک میں قابلِ عمل اور مسلمانوں کے لیے قابلِ قبول نہیں ہوگا جب تک کہ وہ مندرجہ ذیل

بنیادی اصولوں پر مبنی نہ ہو۔

''یعنی یہ کہ حد بندی کر کے اور ملکی تقسیم کے اعتبار سے حسبِ ضرورت ردو بدل کر کے متصل واحدوں کو ایسے منطقے بنا دیا جائے کہ وہ علاقے۔ جن میں مسلمان بہ اعتبار تعداد اکثریت میں ہیں جیسے ہندوستان کے شمالی و مغربی اور مشرقی منطقوں میں، اس طرح یک جا ہو جائیں کہ وہ ایسی خود مختار ریاستیں بنیں جنکے واحدے اندرونی طور پر با اختیار ہوں۔ یہ کہ ان واحدوں میں اور ان علاقوں میں اقلیتوں کے لیے ان کے مذہبی، ثقافتی، اقتصادی، سیاسی، انتظامی اور دوسرے حقوق و مفادات کے تحفظ کے لیے ان کے مشورے سے با قدرِ ضرورت موثر اور واجب التعمیل تحفظات معین طور پر دستور کے اندر مہیا کیئے جائیں۔''(۵)

اس قرارداد کو ہندو اخبارات نے قراردادِ پاکستان کا نام دیا اور محاذ آرائی شروع کر دی مسلمان اسے اپنا نعرہ بنا کر آگے بڑھنے لگے لیکن قائدِ اعظم نے اسے دستوری جنگ کے طور پر لیا عوامی پلیٹ فارم کو استعمال کیا جو مسلم لیگ کا تھا۔

قراردادِ لاہور کے بعد اس کی تشریح و توضیع پیش کی جانے لگی جسے نہایت فراست سے قائدِ اعظم نے واضح کیا اور ہندو اخبارات کو جواب دیا سالانہ اجلاس جو ۱۵ اپریل ۱۹۴۵ء کو مدارس میں منعقدہ ہوا۔ قایدِ اعظم نے مسلم لیگ کے اس اجتماع میں قرارداد کے نکات کی اہمیت واضح کی کہ مسلمان کون کون سے علاقوں میں خود مختاری چاہتے ہیں اور کسی دوسرے کی حکمرانی قبول نہیں کی جائے گی۔

تخلیقِ پاکستان سے قبل تصورِ پاکستان کو راسخ کروانے میں جن فرمودات نے کام کیا اُن میں ۲۳ مارچ ۱۹۴۵ء میں قائدِ اعظم کا یہ بیان خصوصی اہمیت رکھتا ہے:

''اتحاد اور تنظیم کے ذریعے ہی ہم یہ جنگ کامیابی سے لڑنے کی طاقت اور جواز حاصل کر سکتے ہیں۔''(۶)

جبکہ جلسۂ عام سے مردان میں خطاب کیا اور تصورِ پاکستان کی یوں وضاحت کی:

''ہم اسی کے لیے جییں اور مریں گے ایک باعزت زندگی گزارنے کے لیے مسلمانوں کو شدید جدو جہد کرنی پڑے گی۔''(۷)

تخلیقِ پاکستان کے بعد ان فرمودات کا دائرہ مزید وسیع ہوا۔ سرکاری اور فوجی افسروں سے کراچی میں خطاب کیا اور کہا:

''ایک ملک کی تخلیق، ایک مقصد حاصل کرنے کا ذریعہ تھی۔۔۔۔

جہاں ہم آزادی سے سانس لے سکیں، اس کی تشکیل وتعمیر اپنے
تصورات اور تہذیب وتمدن کے مطابق کر سکیں اور جہاں اسلامی
وسماجی انصاف اور غیر جانبداری کے اصولوں کا بول بالا ہو۔'' (۸)

معاشرتی اور سیاسی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس سے متعلق قائدِ اعظم کے فرمودات موجود نہ ہوں۔ کہیں وہ تقریر میں اس کو واضح کرتے ہیں اور کہیں اپنے بیانات کے ذریعے ان پر روشنی ڈالتے ہیں۔ مساوات، اخوت اور انسانی حقوق پر بھی ان کی نظر رہتی ہے اور ثقافت وتمدن کے بنیادی نکات بھی بیان کرتے ہیں۔

قائداعظم نے پٹنہ کے اجلاس میں خواتین کی ایک کمیٹی بنائی جس کی غرض یہ تھی کہ خواتین کو ایسے مواقع فراہم کیے جائیں کہ وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں بھی مسلم لیگ کے تنظیمی کاموں میں حصہ لے سکیں۔ قائدِ اعظم چاہتے تھے کہ یہ کمیٹی زیادہ سے زیادہ خواتین کو مسلم لیگ کا ممبر بنائے تاکہ ملک بھر کی خواتین میں سیاسی بیداری پیدا ہو۔ سیاسی ومعاشرتی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس پر قائدِ اعظم نے اظہارِ خیال نہ کیا ہو۔ وہ مسلمانوں کو ایک سیسہ پلائی دیوار بنانا چاہتے تھے اور ایسے ملک کے خواہاں تھے جس میں بلاتفریق مذہب وذات پات کے امن وآشتی کی فضا جاری وساری رہے۔

اس طرح مسلم لیگ قائدِ اعظم کی رہنمائی میں اپنے موقف کا بھرپور اظہار کرنے لگی۔ قائدِ اعظم کا عقیدہ تھا کہ مسلمانوں کو کسی سے نہیں ڈرنا چاہیے:

''میں آرزو مند ہوں کہ مسلمان اپنے ہاتھ سے چھوڑے ہوئے
ایمان کو دوبارہ ھاتھ میں لے لیں اور تحصیلِ استقلال کے لیے کسی
رکاوٹ سے خوف زدہ نہ ہوں۔ خواہ ایک دنیا ان کی دشمنی پر اُتر
آئے۔ اس مقصد کے لیے اس کے بعد ہمارا شعار یہ تین کلمے ہوگا۔
اتحاد، ایمان اور تنظیم۔'' (۹)

مسلمانوں نے قائدِ اعظم کے بیان پر پوری طرح عمل کیا جس سے مسلم لیگ کی قوت وحمیت اتنی بڑھ گئی کہ ہندو بوکھلاہٹ کا شکار ہو گئے۔

قائدِ اعظم کے اعلانات، بیانات، فرمودات اور تقاریر برِ صغیر میں موجود تمام مسلمانوں کی سیاست، معاشرت، تہذیب، تمدن اور رجحانات کا احاطہ کرتی ہیں۔ وہ تقسیم ہند سے قبل حالات کو اپنے نظریات میں ڈھال کر واضح کرتے رہے۔ جس سے یہ منتشر قوم مسلم لیگ کے ایک پلیٹ فارم پر آ جمع ہوئی جس کو ساتھ لے کر قائدِ اعظم چلے تو تخلیقِ پاکستان تک آ پہنچے۔ انھوں نے پاکستان بننے کے بعد اپنے خیالات کو اہلِ پاکستان تک پہنچانے میں ہر انداز اختیار کیا۔ کہیں طلباء سے خطاب کیا جا رہا ہے تو کہیں سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی کوتاہیوں کو منظرِ عام پر لاتے رہے۔ پاکستان میں سیاست نے

جو انداز اختیار کیا قائدِ اعظم کی نظر سے اوجھل نہ تھا۔ مس؟ لہ کشمیر کو پاکستانی سیاست کا مرکز قرار دیا جس کو حل کرنے کے لیے کوشاں رہے۔

قائدِ اعظم نے پاکستان میں مختلف زبانوں کا حوالہ دیتے ہوئے قومی زبان کے طور پر اُردو کو اپنانے کی واضح کوشش کی تاکہ مختلف صوبوں میں ہم آہنگی پیدا کی جا سکے۔ قائدِ اعظم نے ۲۱ مارچ ۱۹۴۸ء کو ڈھاکہ میں جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

> ''پاکستان کی سرکاری زبان اُردو ہو گی اور کوئی زبان نہیں ہو گی جو کوئی بھی آپ کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ حقیقت میں پاکستان کا دشمن ہے۔ جب تک ایک سرکاری زبان نہ ہو کسی قوم میں پائیدار اتحاد قائم ہو سکتا ہے اور وہ کام بھی نہیں کر سکتی۔'' (۱۰)

یقینِ محکم، اتحاد اور تنظیم وہ بنیادی عوامل ہیں جو اُن کی نظر میں کامیاب ریاست کے لیے نہایت ضروری تھے۔ قائدِ اعظم تحریکِ پاکستان کے عظیم رہنما۔ ان کا اندازِ فکر نہ تو متعصّبانہ تھا اور نہ ہی ان پر فرقہ پرستی کا الزام عائد ہوتا ہے۔ ان کے شعور نے ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے الگ آزاد وطن کی تشکیل کو ممکن بنایا۔ ان کا شمار چند لیڈروں میں ہوتا جنھیں ہر طبقے میں بلا امتیاز مذہب و ملت پذیرائی حاصل رہی۔

حوالہ جات

۱۔ پیام شاہ جہاں پوری، تاریخ نظریہ پاکستان، لاہور: کتب خانہ انجمن حمایت اسلام، ۱۹۷۰ء، ص: ۳۲۵

۲۔ احمد سعید، مرتب: قائدِ اعظم مسلم پریس، کراچی: قائدِ اعظم اکادمی، ۱۹۸۱ء

۳۔ صفدر محمود، ڈاکٹر، اقبال جناح اور پاکستان، لاہور: الکریم مارکیٹ، اُردو بازار، ۲۰۰۴ء، ص: ۴۳-۷

۴۔ خالد علوی، ڈاکٹر، قائدِ اعظم اور مسلم تشخص، لاہور: الفیصل اُردو بازار، ۲۰۰۲ء، ص: ۹۶

۵۔ ایضاً، ص: ۱۰۱

۶۔ فہمیدہ ریاض، مترجم: قائدِ اعظم نے فرمایا، کراچی: اوکسفرڈ یونیورسٹی، ۲۰۱۲ء، ص: ۵۶

۷۔ ایضاً، ص: ۵۷

۸۔ ایضاً، ص: ۹۵

۹۔ محمد ہاشم قدوائی، ڈاکٹر، جدید ہندوستان کے سیاسی اور سماجی افکار، نئی دہلی: ترقی اُردو بیورو، ص: ۲۶۶

۱۰۔ خالد علوی، ڈاکٹر، قائدِ اعظم اور مسلم تشخص، لاہور: الفیصل اُردو بازار، ۲۰۰۲ء، ص: ۲۵۱

☆......☆......☆